# تربیت اولاد کے مؤثر عناصر اور ادوار اسلامی تعلیمات اور جدید سائنس کے تناظر میں

محمد بشیر مقدسی[1]

خلاصہ

تربیت اولاد کے مؤثر عناصر اور ادوار اسلامی تعلیمات اور جدید سائنس کے تناظر میں "کے عنوان سے یہ تحقیقی مقالہ اولاد کی تربیت کے پیچیدہ اور کثیر الجہتی عمل کو منظّم انداز میں سمجھانے کی کوشش کرتا ہے۔اس تحقیق کی بنیادی ضرورت اس امر سے پیدا ہوئی کہ موجودہ دور میں والدین و مربین اکثر تربیت کے بنیادی اصولوں اور عمر کے مختلف مراحل کے تقاضوں سے ناواقف ہیں، جس کے نتیجے میں تربیتی عمل غیر موثر یا یک طرفہ رہ جاتا ہے۔ تحقیق کا مقصد تربیت کے عوامل و مراحل کو منظّم اور علمی بنیادوں پر پیش کرنا ہے تاکہ ایک جامع رہنمائی میسر آسکے۔ تحقیق کا طریق کار نظریاتی اور تحلیلی ہے، جس میں اسلامی مصادر اور جدید سائنسی مصادر ( نفسیات نشوونما، تعلیمی نفسیات ) کا موازناتی تجزیہ کیا گیا ہے۔ تحقیق کے اہم نتائج میں تربیت پر اثر انداز پانچ اہم عوامل کی شناخت، نیز تربیت کے چار بنیادی ادوار کی تفصیل شامل ہے کہ جن میں سے ہر دور کی نفسیاتی، جذباتی اور علمی ضروریات جداگانہ ہیں۔ تحقیق سے یہ اہم نکتہ بھی واضح ہوا کہ اسلامی تعلیمات ( جیسے صالح شریک حیات کا انتخاب، والدین کی نمونہ سازی) جدید نفسیات کے سائنسی اصولوں سے حیرت انگیز طور پر ہم آہنگ ہیں. میڈیا اور ڈیجیٹل ماحول کے جدید چیلنجز کے پیش نظر تحقیق میں عملی تجاویز بھی پیش کی گئی ہیں، جن کا مرکزی نکتہ نگرانی، راہنمائی اور متبادل سرگرمیاں فراہم کرنا ہے۔ بالآخر، تحقیق اس نتیجے پر پہنچتی ہے کہ اولاد کی تربیت کی کامیابی کے لیے اسلامی تعلیمات کی روحانی بنیادوں اور جدید سائنس کے تجرباتی اصولوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنا ضروری ہے، جس سے نہ صرف بہتر نسل کی تشکیل ممکن ہوگی بلکہ صحت مند معاشرے کی بنیاد بھی رکھی جاسکے گی۔

**کلیدی الفاظ** :تربیت اولاد، اسلامی تربیت، عوامل تربیت، ادوار نشوونما، جدید سائنس .

[1] دکتری قرآن و حدیث، مجتمع امام خمینی رہ، جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ، پاکستان

## مقدمہ

تربیت اولاد ایک نہایت اہم اور حساس موضوع ہے جو ہر والدین کی زندگی میں ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ اولاد کی تربیت نہ صرف ان کی شخصیت کی تشکیل کرتی ہے بلکہ یہ ایک کامیا معاشرے کی بنیاد بھی ہوتی ہے۔ ایک کامیاب تربیت کے ذریعے والدین اپنے بچوں کو صحیح راستے پر گامزن کر سکتے ہیں، تاکہ وہ مستقبل میں ایک ذمہ دار اور بااخلاق شہری بن سکیں۔ تربیت اولاد کی اہمیت اس بات میں ہے کہ یہ بچوں کی ذہنی، اخلاقی اور جسمانی نشوونما میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ نیز صحیح تربیت سے بچے نہ صرف علم حاصل کرتے ہیں بلکہ ان میں خوداعتمادی، فیصلہ سازی اور سماجی مہارتیں بھی پروان چڑھتی ہیں۔ ایک اچھی تربیت کے ذریعے بچے اپنے حقوق و فرائض کو سمجھتے ہیں اور معاشرتی اصولوں کی پاسداری کرتے ہیں۔ لہٰذا اپنی اولاد کی تربیت کرنا ہر انسان کی ذمہ داری ہے اور دین اسلام میں یہ ایک مذہبی فریضہ ہے کہ اپنی اولاد کی تربیت کرنا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہی بچے اگر تربیت یافتہ ہوں گے تو وقت اور عمر کے ساتھ ساتھ ان کی کردار سازی ہوتی رہے گی تو یہ اپنی بلوغت کے بعد والی زندگی میں ایک مسلمان کی اعلیٰ صفات کا مظہر بنیں گے۔ ان کی دنیا بھی روشن ہوگی اور آخرت میں بھی کامیاب و کامران رہیں گے اور اسی طرح وہ اپنی مستقبل میں آنے والی نسلوں کی درست انداز میں آبیاری کر سکیں گے۔ اسی لیے قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہو رہا ہے:

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا.

مال اور اولاد (تو صرف) دنیاوی زندگی کی زینت ہیں۔

## الفاظ کی تشریح

### تربیت کا لغوی معنا

یہ لفظ (ربو) کے مادے سے اضافہ، نمو، اور بڑھنا۔ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: (ربیتُ) (میں نے تربیت کی) لفظ (رُبُو) سے ہے، اور کہا گیا ہے کہ اس کی اصل مضاعف ہے یعنی (ربّ) (ربب) جو کہ ایک حرف کی تخفیف کے لیے حرف (ی) میں تبدیل ہو گیا ہے، جیسے (تظنّنت) جو (تظنّیتُ) ہو گیا ہے۔

تربیت کا مطلب صرف جسمانی نشو و نما نہیں بلکہ روحانی، اخلاقی اور ذہنی ترقی بھی ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے کسی فرد کی شخصیت، کردار، اور صلاحیتوں کو نکھارا جاتا ہے۔ تربیت کا مقصد فرد کو ایک بہتر انسان بنانا اور اس کی قابلیتوں کو اجاگر کرنا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی میں کامیاب ہو سکے۔

### اصطلاحی معنی

تربیت کا لفظ اصطلاح میں۔ رشد دینا یا استعدادوں کی نشو و نما کے لیے ماحول فراہم کرنا اور پوشیدہ قوتوں کو فعلیت میں لانا۔ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا تربیت اولاد، مناسب رویے اور گفتار کا انتخاب کرنا، ضروری حالات اور عوامل فراہم کرنا، اور تربیت یافتہ شخص کی مدد کرنا تاکہ وہ اپنی پوشیدہ استعدادوں کو ہر پہلو میں ہم آہنگی کے ساتھ پروان چڑھا سکے اور تدریجاً اپنے مقصد اور کمال مطلوب کی طرف بڑھ سکے۔ سے عبارت ہے

### تربیت پر اثر انداز ہونے والے عوامل

بنیادی طور پر، تربیت انسان کے رفتار و کردار کی بنیاد اور اساس ہے، اور یہ اس صورت میں ہے کہ تربیت انسان کے وجود کی تشکیل میں مؤثر عوامل پر کے عین مطابق ہو۔۔ محال ہے کہ تربیت کی غرض سے کی جانے والی کاوشیں نتیجہ بخش ہو بغیر اس کے کہ ان عوامل پر توجہ دی جائے جو ان نتائج کے باعث بنتے ہیں۔

ہر فرد اپنی زندگی میں مختلف عوامل کے زیر اثر ہوتا ہے جو ماضی میں اس پر اثر انداز ہوئے ہیں اور یہ عوامل مسلسل اس پر اثر کرتے رہتے ہیں۔ تربیت کا مقصد یہ ہے کہ ان عوامل کو فرد کی بھلائی کے لیے متوجہ کرے یا بسا اوقات ان کے منفی اثرات کو کم کرے۔

انہی موثر عوامل میں سے بعض عوامل کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو تربیت اولاد میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں اور معاشرے کی اصلاح یا افساد کے مواقع فراہم کرنے والے مہم اور موثر ارکان شمار ہوتے ہیں.

بطور کلی، تربیت انسانی رویے کی بنیاد ہے، بشرطیکہ یہ انسان کے وجود میں کارفرما مؤثر عوامل سے ہم آہنگ ہو۔ یہ محال ہے کہ تربیت کوئی ثمر پیدا کرے یا نتیجہ خیز ہو، ان عوامل پر توجہ دیے بغیر جن سے یہ ثمرات وجود میں آتے ہیں۔ (فائضی، علی و آشتیانی محسن، مبانی تربیت و اخلاق اسلامی، ص ۱۳۷)

ہر فرد زندگی میں مختلف عوامل کے زیرِ اثر ہوتا ہے جو ماضی سے اس پر اثر انداز ہوئے ہیں اور مسلسل اثر پذیر ہو رہے ہیں۔ ان عوامل کو فرد کی مصلحت کی طرف موڑنا یا ان کے مضر اثرات کو کم کرنا در واقع تربیت کا اصلی مقصد ہے.

والدین اور خاندان کے بعد، تعلیمی ادارے کا ماحول، اساتذہ، دوست اور ساتھی، ذرائع ابلاغ، کام اور رہائش کی جگہیں اور محلّہ و بازار - یہ سب ماحول اور معاشرے کے مختلف حصے ہیں۔ انسان کی اچھی اور بری شخصیت کی تشکیل میں بنیادی اور طاقتور کردار ادا کرتے ہیں۔

اس مختصر مضمون میں بعض ایسے عوامل جو تربیت میں نہایت اہم کردار رکھتے ہیں اور معاشرے میں صلاح یا فساد کے زمینہ ہموار کرنے میں اہم اور اثر انگیز ارکان شمار ہوتے ہیں، کا مختصر اذکر کیا جاتا ہے۔

## والدین

والدین دو طریقوں سے اولاد کی تربیت پر اثر انداز ہو سکتے ہیں: وراثت کے ذریعے اور نمونہ بن کر۔ ان کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے:

### الف: وراثت

اسلام میں نیک اور صالح شریکِ حیات کے انتخاب پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے، جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ وراثت بچے کی شخصیت و تربیت پر بہت مؤثر ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عزت دار خاندان سے شریکِ حیات منتخب کرنے پر زور دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: تَخَيّروا لنطفكم فانّ العرق دساس(کاشانی، محسن، محجۃ البیضاء فی تہذیب الاحیاء، ج۳، ص۹۳)

اپنے نطفہ (sperm) کے لیے (اچھی بیوی) کا انتخاب کرو کیونکہ نسل (خاندانی عرق) اثر انداز ہوتا ہے۔ یعنی اچھی بیوی کا انتخاب کرو کیونکہ خاندانی خصوصیات اولاد میں منتقل ہوتی ہیں

موروثی خصوصیات ان عوامل سے متعلق ہیں جنہیں جین کہا جاتا ہے اور ان کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے اور وہ لڑی کے دانوں کی طرح کروموسومز میں پروئے ہوتے ہیں۔ جینز ایک دوسرے پر بے اثر نہیں ہیں اور ممکن ہے کہ کوئی ایک خصوصیت کئی جینز پر منحصر ہو، اس معنی میں کہ ان میں سے ہر ایک مخصوص خصوصیات و صفات کا ایک معینہ حصہ پیدا کرتا ہے۔(فلسفی، محمد تقی، کودک از نظر وراثت و تربیت، بخش اول، ص۶۴-۶۳)

ہم جانتے ہیں کہ زندہ وجود اپنی بہت سی صفات و خصوصیات اگلی نسل کو منتقل کرتے ہیں، بلکہ بہتر یہ کہا جائے کہ اگلی نسل پچھلی نسل کی صفات کی وارث ہوتی ہے۔ ایک پھول کا بیج، اس پودے کی تمام خصوصیات جیسے تنے، پتے، پھول اور رنگت کو اپنے اندر محفوظ رکھتا ہے جو اس سے پیدا ہوا تھا اور پھر سب کو یکے بعد دیگرے ظاہر کرتا ہے۔ انسان کی اولاد بھی ایسی ہی ہے۔

زندہ موجودات کی دنیا میں ایک اہم قانون، قانون وراثت ہے۔ یہ قانون نباتات، حیوانات اور انسان کی نوعی صورت ( (Form کی حفاظت کرتا ہے۔ اسی قانون کے تحت اولاد بغیر کسی سعی و تلاش کے اپنے والدین کی صفات و خصوصیات حاصل کر لیتی ہے اور انہیں ممیّزات کے ساتھ وجود میں آتی ہے۔(فلسفی، محمد تقی، کودک از نظر وراثت و تربیت، ص ٦١)

اسی سلسلے میں امام علی علیہ السلام کا ایک حدیث مبارکہ ہے جس میں آپ فرماتے ہیں: حسن الأخلاق برهان كرم الاعراق (تمیمی آمدی، عبدالواحد، غرر الحکم و درر الکلم، ص۳۷۹) اخلاقی خوبیاں (خاندانی) نسل کی شرافت اور خاندانی roots کی فضیلت کی دلیل ہیں۔

پس وراثت کے معنی یوں بھی بیان کیے جا سکتے ہیں کہ وراثت جسمانی و نفسیاتی خصوصیات اور اخلاقی و ذہنی امتیازات کا والدین یا اجداد سے آنے والی نسلوں میں منتقل ہونا ہے۔

البتہ یہ خیال رہے کہ وراثت اولاد کی تربیت پر اثر انداز ہونے والا واحد عامل نہیں ہے، بلکہ ایک مؤثر عامل ہے۔ کیونکہ ہم نے بارہا ایسے انسان دیکھے ہیں جو نادرست وراثت کے باوجود سیدھے راستے کی طرف مائل ہو گئے اور اس کے برعکس ایسے انسان بھی جو درست وراثت رکھتے تھے مگر ناحق کی طرف مائل ہو گئے۔ یہ قابل ذکر تبدیلی تربیت پر اثر انداز ہونے والے ان ماحولیاتی عوامل کا نتیجہ ہے جو وراثت کے بعد تربیت کا سب سے اہم عامل ہیں.

## والدین کی نمونہ سازی کا کردار

والدین کی گود، جو ایک چھوٹے سے مدرسے کی مانند ہے جہاں بچے کی شخصیت تشکیل پاتی ہے۔ خوش اخلاقی، بلند ہمتیں وغیرہ والدین کی شفقت بھری گود سے ہی جنم لیتی ہیں اور اسی طرح بداخلاقی، حقارت، پستی اور کنجوسی بھی والدین کے ذریعے بچے کو منتقل ہو سکتی ہے۔ (یزدی، عباس اسماعیل، فرهنگ تربیت، ص ۷۱)

بچہ گھر کی فضا میں پرورش پاتا ہے اور تمام عادات اپنے والدین، بہن بھائیوں سے حاصل کرتا ہے۔ چونکہ بچوں میں تقلید کا میلان ہوتا ہے، اس لیے وہ ارد گرد کے لوگوں خصوصا خاندان کے تمام کاموں، اخلاق و خصوصیات کو غور سے دیکھتے ہیں اور ان کی نقل کرتے ہیں۔ طفل فطرتا پاک اور بے عیب ہوتا ہے، یہ والدین ہی ہیں جو اسے صالح یا فاسد بنا دیتے ہیں۔ وہ صحیح یا غلط آداب، اخلاق، رسوم و روایات کو اپنی اولاد تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں، یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ اولاد کے عقائد ان کے والدین کے عقائد ہی سے جنم لیتے ہیں۔ اسی لیے روایت میں آیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ہر بچہ فطرت توحید پر پیدا ہوتا ہے اور یہ اس کے والدین ہی ہیں جو اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ (بحار الانوار، ج۳، ص ۲۸۱) ماں پہلی شخص ہے جسے بچہ دوستی کے لیے منتخب کرتا ہے اور اس کے ساتھ اچھا تعلق رکھتا ہے۔ اس کی محبت و شفقت، جو کبھی تند خوئی کے ساتھ اور کبھی در گزر و چشم پوشی کے ساتھ ہوتی ہے، بہتر اور زیادہ تعمیری کردار ادا کرتی ہے۔ (قائمی، علی، نقش مادر در تربیت، ص ۱۶۰) بچے کی نظر میں ماں ایک نمونہ (آئیڈیل) ہے، اخلاق و عمل کی مثال ہے۔ جو کچھ وہ کرتی ہے درست ہے، جس کام کو وہ ناپسند کرتی ہے ناروا ہے۔ اچھائی اور برائی کی پہچان وہی کرتی ہے۔ (قائمی، علی، نقش مادر در تربیت،

ص۸۷) لہذا ماں اپنے بچے کے لئے آئیڈیل ہوتی ہے لہذا آئیڈیل کو اپنی رفتار و سکنات پر نظر رکھنی چاہئے کیونکہ بچپن میں بچے کے تمام کام تقلیدی ہوتے ہیں اور وہ ماں کے تمام کاموں اور باتوں کی نقل کرتا ہے.

باپ نہ صرف خاندان کے معاشی و سماجی وسائل کی فراہمی میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے بلکہ بچے کی تربیت کے عمل میں اس کی موجودگی بہت اہمیت کی حامل ہے۔

زندگی کے ابتدائی سالوں میں باپ کے ساتھ تعلق، لڑکیوں اور لڑکوں کی اپنے ہم عمروں کے ساتھ آئندہ relations اور تعلقات پر بہت زیادہ اثر ڈالتا ہے اور اسی وجہ سے چار سال کی عمر سے پہلے باپ کی غیر موجودگی یا فقدان اولاد خصوصا لڑکے پر برے اثرات چھوڑتا ہے۔ البتہ اگر ماں موجود ہو اور اس کی جذباتی و سماجی صحت، باپ کے فقدان کی تلافی کر دے تو یقیناً بچے کے ضد سماجی رویوں میں کمی آئے گی۔ (روانشناسی رشد با نگرشی بہ منابع اسلامی، جمعی از مؤلفان، ص۸۵۷)

لہٰذا، اصلاحی پہلو میں بچے کی تربیت اور اس کے نقائص کو دور کرنے میں محبت انگیز خاندانی ماحول بہت اہمیت کا حامل ہے .

## ماحول اور معاشرہ

بچے زندگی کے دوران یے اور والدین کی گود اور خاندان کے چھوٹے سے ماحول کو پیچھے چھوڑ کر گھر سے باہر (گلی کوچہ) میں قدم رکھتے ہیں تو جہاں وہ وسیع تر ماحول میں قدم رکھتے ہیں۔ اور وہیں نئے نئے ماحول سے آشنا ہوتے ہیں .

یہاں ماحول سے مراد وہ تمام خارجی عوامل ہیں جو کہ زندہ وجود میں نشوونما کے آغاز سے، یعنی اس لمحے سے جب انسان ایک نطفہ کی صورت میں رحم میں قرار پاتا ہے اور منعقد ہوتا ہے، موجود ہوتے ہیں۔ (حجتی، سید محمد باقر، اسلام و تعلیم و تربیت، بخش اول تربیت، ص۱۰۶) دوسرے لفظوں میں ہر وہ phenomenon جو انسان کو اپنے دائرے میں رکھتا ہے اور اس میں رد عمل پیدا کرتا ہے۔ (آرای دانشمندان مسلمان در تعلیم و تربیت و مبانی آن، ج۳، ص۱۶۷)

لہٰذا ماحول سے مراد محض جغرافیائی فضا نہیں ہے، بلکہ معاشرے میں حاکم ثقافتی مظاہر اور انسانی سماجی زندگی کے آثار کا ایک مجموعہ مراد ہے . بچہ معاشرے میں کسی نہ کسی طور پر معاشرے کے افراد جیسے عطار، قصاب، وغیرہ کے ساتھ مرتبط ہوتا ہے اور اسی ارتباط میں وہ مختلف افراد سے متاثر ہوتا ہے۔ اور یہ اثر، جو وہ قبول کرتا ہے، درست ہے یا نادرست، مذکورہ افراد کے صالح اور فاسد ہونے پر مکمل طور پر منحصر ہے۔ (فائضی، علی و آشتیانی محسن، مبانی تربیت و اخلاق اسلامی، ص۱۵)

ماحول اور معاشرہ اس قدر اثر رکھتے ہیں کہ بسا اوقات صالح اور لائق افراد جو پاکیزہ خاندانوں کے گھرانوں میں پرورش پاتے ہیں، خراب ماحول میں قدم رکھتے ہی اپنی سابقہ تربیتی آداب اور جلووں کو کھو دیتے ہیں اور فاسد و نالائق افراد میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے برعکس، ایسے نالائق افراد ہیں جو درست اور انسان ساز ماحول میں آنے کے باعث، لائق انسانوں اور صالح افراد میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

البتہ، جو شخص پاک و پاکیزہ اور سالم فطرت کا مالک ہو اور ساتھ ہی علم و ادب سے بھی آراستہ ہو، اس پر برے ماحول کا زیادہ اثر نہیں ہوتا، بلکہ اس کے ارد گرد کے لوگ، دوست و آشنا اور معاشرے کے بعض افراد اس کے نیک آثار، علم و ایمان سے مستفید ہوں گے۔ نیز برے افراد کا گھر اور معاشرے کے ماحول پر اثر بھی ایسا ہی ہے۔ البتہ اس اثر و تاثر کے نتائج، صرف دنیاوی زندگی تک محدود نہیں ہیں، بلکہ معاشرے کا نیک ماحول یا برے ماحول کا اثر عالم اخرت میں بھی دیکھا جائے گا۔

چنانچہ امام صادق علیہ السلام ایک شریف حدیث میں فرماتے ہیں: لایزال المؤمن یورثُ اهل بیته العلم والأدب الصالح حتّی یُدخلَهُم الجنّةَ جمیعاً حتّی لایفقد فیها منهم صغیراً و لا کبیراً و لا خادماً و لا جاراً۔ ولایزال العبد العاصی یورثُ اهل بیته الأدب السّیّیءَ حتّی یدخلهم النّار جمیعاً حتّی لایفقدَ فیها منهم صغیراً و لا کبیراً و لا خادماً و لا جاراً۔ (مستدرک الوسایل، ج۱۲، ص۲۰۱، باب ۸ از امرونهی، ح۴) مومن مسلسل اپنے اہل خانہ کے لیے علم اور شایستہ ادب کو ورثے میں چھوڑتا ہے یہاں تک کہ وہ ان سب کو جنت میں داخل کر دیتا ہے، اس طرح کہ ان میں سے کوئی بھی چھوٹا ہو یا بڑا، خادم ہو یا پڑوسی، جنت سے محروم نہیں رہتا۔ اور نافرمان بندہ مسلسل اپنے اہل و عیال کے لیے ناشایستہ ادب اور نادرست راہ و روش کو ورثے میں چھوڑتا ہے یہاں تک کہ وہ ان سب کو جہنم میں داخل کر دیتا ہے اور اس کی آگ ان سب کو، چھوٹے ہوں یا بڑے، خادم ہوں یا پڑوسی اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

ماحول کی کشش اور سماجی جاذبے اتنی طاقتور اور باثر ہیں کہ خواہ نخواہ عام لوگ، سوائے صالح اور قوی نفس رکھنے والے افراد کے، ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

## تعلیمی ادارے اور اسکول کا ماحول

سکول وہ دوسرا مقام ہے جس میں قدم رکھتے ہوئے بچہ جہاں ایک نئی دنیا سے روبرو ہوتا ہے وہیں گھر اور خاندان کے ماحول کے علاوہ ایک نئے ماحول سے آشنا ہوتا ہے۔

نوآموز بچہ ایک نئے اور نازک پودے کی مانند ہے جو اپنی نشو ونما کے لیے نگرانی کا محتاج ہوتا ہے تاکہ وہ معاشرتی برائیوں کے ساتھ مقابلہ کر سکے۔ لہٰذا اسکول پر لازم ہے کہ وہ بچے کو برائیوں کے بھیانک نتائج سے محفوظ رکھتے ہوئے اس کے لیے تقویٰ وفضیلت سے لبریز ماحول فراہم کرے تاکہ جب وہ اسکول کی چار دیواری کے درمیان پروان چڑھے تو اس میں تقویٰ وفضیلت کی طرف رغبت بھی ترقی پائے، اور نیک روش کی پیروی کو، اسکول سے فراغت کے بعد، اپنا نصب العین بنا لے، اور اپنی سماجی زندگی میں اسے رائج کرے۔ (حجتی، سید محمدباقر، اسلام و تعلیم و تربیت، بخش اول، ص۱۲۱)

والدین اولاد کی شخصیت کی تشکیل اور اس کی روحی نشو نما میں بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں، اس قدر کہ بچہ اپنے والدین کی تمام حرکات کو زیر نظر رکھتا ہے اور ان سے نمونہ برداری و pattern گیری کرتا ہے۔

قرآن کریم میں آیا ہے: فلینظر الانسان إلی طعامه (سورہ عبس، آیت ۲۴) پس انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے (طعام) کی طرف دیکھے۔ روای کہتا ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے اس آیت کے بارے میں پوچھا کہ طعام (خوراک) سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: علمُهُ الذی یأخذُهُ عمّن یأخذه (اصول کافی، ج۱، ص۵۰) اس کے علم کی طرف دیکھے جسے وہ حاصل کرتا ہے، (یعنی دیکھے) کس سے حاصل کرتا ہے۔

امام خمینی رحمتہ اللہ علیہ کے بیانات میں بھی آیا ہے: (صحیفہ نور، ج۱۳، ص۲۶۵) عالم ایک مدرسہ ہے اور اس مدرسہ کے معلّمین انبیاء و اولیاء ہیں، اور ان معلّمین کا مربی اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیاء کی تربیت فرمائی ہے اور انہیں تمام لوگوں کی تربیت و تعلیم کے لیے بھیجا ہے۔ اولوالعزم انبیاء تمام بنی نوع انسان کی طرف مبعوث ہوئے ہیں اور ان کا درجہ تمام انسانوں کے

معلم و مربی کا ہے، اور ان کا معلم و مربی حق تعالیٰ ہے اور وہ بھی بعد اس کے کہ الٰہی تعلیمات سے تعلیم پا گئے اور تربیت حاصل کر لی، مامور ہیں کہ بنی نوع انسان کی تربیت و تعلیم کریں۔

## والدین کی ذمہ داری

والدین کو آگاہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کو کس قسم کے تعلیمی ادارے میں داخل کراتے ہیں اور کس استاد و مربی کے حوالے کرتے ہیں۔ انہیں توجہ رکھنی چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کے مربی کے طور پر ایسے شخص کا انتخاب کریں جو اصل اسلام، اسلامی عقائد کا معتقد ہو تاکہ یہ عقائد، اخلاص اور خصوصیات ان کی اولاد تک منتقل ہوں اور وہ پاک عقائد اور پسندیدہ اخلاق کے ساتھ اسکول سے فارغ ہوں۔

لہٰذا، اسکول کا ماحول تربیت پر اثر انداز ہونے والے اہم ترین عوامل میں سے ہے جو انسانوں کو مثبت اور منفی سمت میں موڑ سکتا ہے۔ اور عالم، فداکار، موحد، مفکر اشخاص یا ان کے برعکس لوگ معاشرے کو دے سکتا ہے۔

معلم ہی ہے جو انسانوں کو یا تو مہذب و معتبر بناتا ہے یا پھر ناشائستہ اور غیر مہذب بناتا ہے۔ الغرض بچے کا کردار سکول میں بنتا ہے، اس کی تمام سعادتوں اور شقاوتوں کا آغاز اسکولوں سے ہی ہوتا ہے اور اس کی کنجی معلّمین کے ہاتھ میں ہے۔ (صحیفہ نور، ج۶، ص۲۳۷)

## دوست اور ساتھی

روزمرہ تعلقات میں اثر پذیری اور اثر اندازی ایک فطری امر ہے، اس قدر کہ انسان معمولی سے رابطے، ملاقات اور کم ترین تعلق و معاشرت میں یا تو اثر انداز ہوتا ہے اور اپنے ارد گرد کے لوگوں کو خواہ نخواہ اپنے اخلاق و رویے کے زیر اثر لاتا ہے یا خود دوسروں کے رویے و اخلاق سے متاثر ہوتا ہے۔

چنانچہ امام صادق علیہ السلام نقل فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: المرءُ علی دین خلیله (بحار الانوار، ج۷۴، ص۱۹۲، ح۱۲) انسان اپنے دوست کے دین (راہ و روش) پر ہوتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام (جو صاحب شریعت انبیاء میں سے ہیں) کے فرزند، ان تمام صلاحیتوں اور قابلیتوں کے باوجود، آلودہ افراد کی مصاحبت کے باعث نبوت کے خاندان کے دائرے سے نکل گئے اور ویسے ہی ہوئے جیسا کہ قرآن کریم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قرآن کریم ان کے بارے میں فرماتا ہے: إنّه لیس من أهلک إنّه عملٌ غیر صالح (سورہ ہود، آیت ۴۶) بے شک وہ تیرے اہل (خاندان) میں سے نہیں ہے، اس کا عمل ناشایستہ ہے. نوح کے بیٹے نے بروں کے ساتھ بیٹھ کر نبوت کے خاندان کو کھو دیا۔ ہاں، دوستی اور رفاقت انسان پر اس قدر اثر رکھتی ہے اور نیک و صالح دوست کے اعمال و کردار انسان میں مضبوطی پیدا کرتے ہیں اور انسان کو کمال و سعادت تک پہنچنے میں مدد دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ امام صادق علیہ السلام نے نبی گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: أسعدُ النّاس من خالط کرام النّاس (بحار الانوار، ج۱، ص۲۰۲ و ج۷۴، ص۱۸۵-۱۸۶) سب سے زیادہ سعادت مند انسان وہ ہے جو باعزت لوگوں کے ساتھ رہے اور اسی طرح ناشایستہ اور تباہ کار افراد سے دوستی، ان کے رویے کو انسان میں مضبوط کرتی ہے اور انسان کو ہلاکت و بربادی کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔ خداوند متعال ایسی رفاقت و معاشرت کے نتائج کی طرف اشارہ کرتا ہے اور فرماتا ہے: اور جس دن ظالم شخص اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا (پچھتائے گا) اور کہے گا: کاش! میں نے رسول کا ساتھ

اختیار کیا ہوتا۔ ہائے میری خرابی، کاش میں نے فلاں (شخص) کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس نے تو مجھے گمراہ کر دیا اس کے بعد کہ مجھے نصیحت (قرآن) پہنچ چکی تھی۔ اور شیطان ہمیشہ انسان کو مایوس کرنے والا ہے۔ (سورہ فرقان، آیات ۲۷-۲۹)

### والدین کی ذمہ داری

لہٰذا والدین کو چاہیے کہ وہ اپنی اولاد پر نگاہ رکھیں تاکہ وہ صالح لوگوں کو دوست انتخاب کرے۔ آیات، روایات اور احادیث میں صالح و شایستہ افراد کے ساتھ تعلق اور ناشایستہ افراد سے دوری کے بارے میں بہت کچھ آیا ہے جو اس موضوع پر بہت زیادہ زور دیتا ہے، متعدد آیات و روایات میں اسی مطلب کی طرف اشارہ ہوا ہے جو صحیح اور شایستہ فرد کی دوستی کی اہمیت اور ضرورت کو اجاگر کرتا ہے یعنی انسان کے شقی ہونے یا سعادتمند ہونے کا دار و مدار اسی تعلق اور دوستی پر ہے جو وہ اپنی زندگی میں انتخاب کرتا ہے۔ لہٰذا والدین کو چاہیے کہ وہ اپنی اولاد پر نگاہ رکھیں تاکہ وہ ہر کسی کے ساتھ معاشرت نہ رکھیں۔

### میڈیا اور ذرائع ابلاغ

ہر وہ آلہ اور وسیلہ جیسے ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبار، میگزین، فلم وغیرہ جو کسی طور براہ راست یا بالواسطہ اپنے مخاطبین سے رابطہ قائم کرتا ہے، ذرائع ابلاغ کا حصہ ہے اور اسے میڈیا کہلاتا ہے۔ بہ عبارت دیگر میڈیا سے مراد وہ تمام ذرائع ابلاغ ہیں جو معلومات، خیالات اور ثقافتی مواد کو عوام تک پہنچاتے ہیں میڈیا کے لوگوں کی ذمہ داری، اس کے مخاطبین کی کثرت کی وجہ سے، واعظین اور خطیبین سے زیادہ بھاری ہے کیونکہ یہ خطبا محدود فضا اور کم مخاطبین میں تعلیم و تربیت کرتے ہیں۔

آج کل انسانی معاشروں میں بچوں اور نوجوانوں کے بہت سے مفاسد و جرائم کی ایک اہم وجہ میڈیا کے بری تعلیم اور غلط پروگرامز ہے۔ بچے اپنے سماجی نمونے (آئیڈیلز) ٹیلی ویژن اور سوشل میڈیا وغیرہ سے لیتے ہیں اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ والدین کے بعد ذرائع ابلاغ عامہ ان کی تخیلات، افکار کی پرورش کرنے والا ایک عامل ہے۔ دوسری طرف، اگر اس وسیلہ ابلاغ سے مناسب طور پر استفادہ نہ کیا جائے تو یہ بچے کو سماجی طور پر نقصان دہ پہلوؤں سے متعارف کروانے کا ایک آلہ بن جاتا ہے جو خاص حالات میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ (بیابانگرد اسماعیل، راهنمای والدین ، و معلمان در تربیت و آموزش کودکان، ص۱۵۳) ڈراؤنی یا جرائم پیشہ فلمیں دیکھنے سے بچوں اور نوجوانوں میں پریشانیاں پیدا ہوتی ہیں، جن میں چڑچڑاپن، خوف اور عصبی عادات جیسے ناخن کترنا وغیرہ شامل ہیں. (بیابانگرد، اسماعیل، راهنمای والدین و معلمان در تربیت و آموزش کودکان، ص۱۵۶) کتنی ہی مائیں ہیں جو بچوں کے ستاؤ سے چھٹکارا پانے کے لیے انہیں ایسی فلمیں دکھا کر مصروف کر دیتی ہیں اور خود اپنے کاموں کے پیچھے چلی جاتی ہیں اور ان کی اولاد ان گمراہ کن پروگراموں کے زیر اثر آ جاتی ہے اور اپنی آئندہ زندگی کے راستے و رسم کو انہی سیکھی ہوئی باتوں کے مطابق ڈھال لیتی ہے۔ والدین کو چاہیے کہ وہ ان ذرائع ابلاغ کے اپنی اولاد کی تربیت پر اثرات پر نگاہ رکھیں۔ خصوصا بچوں اور نوجوانوں کو ایسے پروگراموں جیسے مجازی عشقیہ کہانیاں، پر تشدد کھیل اور ڈراؤنے و جرائم پیشہ مناظر دیکھنے سے دور رکھیں۔

### تربیت کے مراحل

انسان زندگی بھر نشو و نما کے مختلف مراحل طے کرتا ہے اور ہر مرحلے اور اس کی خصوصیات کے مطابق، ایک خاص تربیت کا تقاضا کرتا ہے۔

اسلامی منابع میں بھی انسان کی نشو ونما اور تربیت کے مراحل کو مختلف پہلوؤں جیسے جسمانی، روحانی، مادی اور معنوی میں مورد توجہ قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کریم انسان کی تخلیق کے مراحل کو اس کی تخلیق کے نقطہ آغاز سے بیان کرتا ہے، یعنی جب مٹی نباتات کی صورت میں آتی ہے اور پھر غذائی مواد، پھر خون اور نطفہ میں تبدیل ہوتی ہے، یہاں تک کہ جب وہ جنینی مرحلے میں علقہ (جمنے والا خون) اور مضغہ (گوشت کالوتھڑا) کی صورت میں آجاتی ہے اور روح پھونکے جانے کے لیے تیار ہوتی ہے۔ ان مراحل کے دوران انسان کی تکوینی الٰہی تربیت شکل پکڑتی ہے۔ ولادت کے بعد نشو ونما کے چار مراحل، یعنی بچپن، نوجوانی، جوانی اور بلوغت (بڑی عمر) بیان ہوتے ہیں، جن میں انسان کی تربیت کی ذمہ داری کا تذکرہ ہوتا ہے جس پر ہم بات کریں گے۔

هُوَ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوٓا۟ أَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُونُوا۟ شُيُوخًا (غافر، آیت ٦٧) وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر تم کو بچہ بنا کر باہر لاتا ہے پھر زندہ رکھتا ہے کہ توانائیوں کو پہنچو پھر بوڑھے ہو جاو

## بچپن

پیدائش کے بعد تربیت کا پہلا مرحلہ، دودھ پینے کا دور ہے۔ اس دور میں ضروری ہے کہ بچہ ایسی جگہ پر زندگی گزارے جو پرورش و نشو ونما کے لیے مناسب ہو اور اس کی نگرانی کی جائے۔

عمر کے پہلے سال تربیت کے لیے موزوں ترین موقع ہیں؛ کیونکہ فطرت دست نخوردہ ہوتی ہے اور قبولیت کا زینہ مکمل طور پر ہموار ہوتا ہے۔ اس مرحلے پر تربیت کی ذمہ داری خاص کر بچے کے رفتار پر نگرانی، دیگر تربیتی عوامل سے زیادہ والدین کے کندھوں پر ہوتی ہے۔ قرآن کریم اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ قُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلْحِجَارَةُ (سورہ تحریم آیت ٦) اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔

اولیاء کو چاہیے کہ وہ اپنے اہل و اولاد کو ہر اس چیز سے محفوظ و مامون رکھیں جس کا انجام دوزخ کی آگ ہے اور ان کی تعلیم و تربیت میں کوشش کریں اور ان کے لیے صالح معلم و مربی منتخب کریں۔ بچے کے جذباتی پہلو بھی اسی دور سے بچے کے جذباتی پہلو بھی اسی دور سے شروع ہوتے ہیں جن پر پوری توجہ دینی چاہیے۔

عاطفی اور جذباتی زندگی، جو ابتدا میں احساس آرامش اور سکون اور عدم احساس آرامش میں خلاصہ ہوتی ہے، تقریبا تین چار ماہ کی عمر سے مخصوص عواطف اور جذبات کی صورت میں ڈھل جاتی ہے۔ ہر چیز سے پہلے خوف، پھر غصہ اور نیز خوشی جس کا نمونہ مسکرانا اور ہنسنا ہے، ظاہر ہوتا ہے۔ ماں کی موجودگی نہ صرف بچے کی جذباتی نشو ونما بلکہ اس کی جسمانی و عقلی نشو ونما پر بھی بہت اثر رکھتی ہے۔

ماں کا بچے کے ساتھ مسلسل تعلق، پہلا عامل ہے جو بچے کے اطمینان قلب کو یقینی بناتا ہے اور اگر یہ احساس اطمینان حاصل نہ ہو تو اس کا اطمینان قلب خطرے میں پڑ جاتا ہے اور اس کے اثر سے، وہ استقلال طلبی اور حادثہ جوئی کی روح کھو دیتا ہے۔ (صانعی، سید مهدی، پژوهشی در تعلیم و تربیت، ص٣٢٣) بچہ زندگی کے پہلے دور یعنی تین سے سات سال کی عمر میں اکثر بڑوں کی خواہشات کے

مقابلے میں مزاحمت کرتا ہے اور ان کے حکموں پر اعتنا نہیں کرتا۔ اس عمر میں یہ ایک عام اور معمولی بات ہے اور بچے کو تحرک اور جنب و جوش رکھنا چاہیے۔ ممکن ہے بچہ ایسے کام کرے جن سے بڑے ناراض ہوں؛ لیکن بڑوں کو چاہیے کہ وہ صبر و تحمل کے ساتھ بچوں کے ساتھ برتاؤ کریں، ان کے ساتھ ایسا سلوک نہ کریں جس سے ان کے دل کو تکلیف پہنچے۔ (صانعی، سید مهدی، پژوهشی در تعلیم و تربیت، ص۳۲۴) حدیث میں آیا ہے: یستحبُّ عرامۀ الغلام فی صغرہِ لِیکونَ حلیماً فی کبرہِ ثمّ قال: لا ینبغی الاّ ان یکونَ هکذا(بحار الانوار، ج۱۴، ص۳۸۰-۳۷۹ و وسائل الشیعه، ج۱۵، ص۱۸۹) لڑکے کا بچپن میں شرارتی (اور چنچل) ہونا پسندیدہ ہے تاکہ وہ بڑی عمر میں حلیم (بردبار اور پرہیزگار) بنے۔ پھر فرمایا: زیبا نہیں ہے مگر یہ کہ ایسا ہی ہو (یعنی کوشش اور جنب وجوش رکھتا ہو)۔ وہ بچہ جس کی عمر تقریباً چھ سے سات سال ہو چکی ہو، ایک خاص نفسیاتی تبدیلی کے مرحلے دہانے ہوتا ہے۔

اس دور میں بچے کی جسمانی نشوونما، (خصوصاً عصبی مراکز کی تکمیل کے لحاظ سے) اس مقام پر پہنچ چکی ہوتی ہے کہ وہ باہر سے ملنے والی محرکات کو بالکل مناسب جواب دے سکتا ہے۔ اس کی تجسّس، بامقصد ہو چکی ہوتی ہے اور اپنے مشاہدات میں وہ "کیا ہے" کے مرحلے سے "کیسے" اور "کیوں" کے مرحلے میں داخل ہو چکا ہوتا ہے اور اپنی فعالیتوں سے، ممکنہ نتائج حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ بڑوں کی سوچ کا طریقہ سمجھ سکتا ہے۔ اس کے باوجود کہ کھیل اس کی بنیادی فعالیت شمار ہوتی ہے، کام اور سیکھنے کی خصوصیات اس کی بعض فعالیتوں میں نظر آتی ہیں۔ (شکوهی، غلام حسین، تعلیم و تربیت و مراحل آن، ص۱۵۵-۱۵۴) اس دور میں والدین کو چاہیے کہ وہ ان کی استعداد کے مطابق انہیں علم اور اچھے آداب سکھائیں، کیونکہ یہ عقل و علم کا دور ہے۔ اسی لیے تقریباً دنیا کے تمام ممالک میں رسمی تعلیم و تربیت اسی دور میں شروع ہوتی ہے اور خواندگی اور علم کا حصول نہایت اہم ضروریات میں شمار ہوتا ہے۔ (شکوهی، غلام حسین، تعلیم و تربیت و مراحل آن، ص۱۵۶)

## نوجوانی

یہ دور، جو تقریباً تیرہ سالگی کے آغاز سے شروع ہوتا ہے، وابستگی کا مرحلہ ختم ہو جاتا ہے اور نوجوان اپنی آزاد زندگی کی بنیاد رکھنا چاہتا ہے۔ نوجوان اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہتا ہے، بچگانہ حرکتوں سے نکل آنا چاہتا ہے، محض تقلید پر اکتفا نہیں کرنا چاہتا اور اپنے ذہن میں موجود سوالات کے لیے اطمینان بخش جواب ڈھونڈنا چاہتا ہے۔ نیز، جذباتی ہیجانات، اخلاقی گراوٹ، شدید فیصلے، اثر پذیری اور انحراف کا خطرہ ایسی خصوصیات ہیں جو بلوغت کے ساتھ ظاہر ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس دور کی تربیت کو تربیت کے مشکل ترین اور در عین حال نازک ترین مراحل میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ (رهبر، محمد تقی و رحیمیان، محمد حسین، اخلاق و تربیت اسلامی، ص۱۶) جو توازن پچھلے مراحل میں قائم ہوا تھا، اگرچہ اسی سطح پر بچے کی ضروریات کو پورا کرتا تھا، لیکن اب جب کہ نوجوان انتزاعی افکار[1] کے مرحلے میں پہنچ گیا ہے، اچانک ہر اس چیز پر شک کرنے لگتا ہے جسے اب تک اپنی مخصوص زود اعتقادی کے ساتھ قبول کیا تھا اور اس سے وابستہ تھا، تاکہ ذہنی نئے اور پختہ سہارے حاصل کر سکے۔ اس مرحلے میں کامیابی والدین کی حمایت اور مشاورت پر منحصر ہے۔ والدین کو چاہیے کہ وہ اس دور

[1]. انتزاعی افکار حسی ادراک یا براہِ راست تجربے سے آزاد ہوتی ہیں۔ یہ کسی خاص چیز، وقت یا مقام تک محدود نہیں ہوتیں۔ **مثال**: "انصاف"، "آزادی"، "لامحدودیت" جیسے تصورات جنہیں ہم آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے، مگر ذہن میں تصور کر سکتے ہیں۔

میں اپنی نگرانی میں اضافہ کریں اور نوجوان کو آہستہ آہستہ کاموں میں شریک کریں اور اسے زندگی کے راستے اور اچھے آداب سکھائیں۔ اس سے وہ کام کرنے کو کہیں جو اس کی قابلیت اور استعداد کے لائق ہوں اور اس طرح عملی طور پر اس کی پرورش کریں تاکہ وہ بتدریج حقائق کو سمجھ سکیں۔ (صانعی، سید مهدی، پژوهشی در تعلیم و تربیت، ص۳۲۸-۳۲۹) لہٰذا، تربیت کے اس دور میں اولاد کے behavior و حرکات پر نگاہ رکھنی چاہیے اور پسندیدہ کاموں پر اس کی حوصلہ افزائی اور ناپسندیدہ کاموں پر مذمت کرتے ہوئے بہترین طریقے سے اس کی تربیت کرنی چاہیے۔

## جوانی

جوان، جو استعداد اور جسمانی و روحانی قوتوں کے لحاظ سے کمال کے درجے پر پہنچ چکا ہو، فعالیت اور جنب و جوش کے لیے تیار ہوتا ہے اور اپنی لیاقت کا اظہار کرنا چاہتا ہے۔ وہ اظہار وجود کا دلدادہ اور اس کا عاشق ہوتا ہے کہ اپنی نام آوری اور قابلیت کو ثابت کرے۔ (صانعی، سید مهدی، پژوهشی در تعلیم و تربیت، ص۳۲۹) جوانی کے دور کی ایک خصوصیت مسائل کے ساتھ منطقی برتاؤ ہے۔ اس مرحلے میں، اگرچہ طاقتیں اور فطری رجحانات شور و ہیجان سے بھرپور ہوتی ہیں، لیکن جوان مسائل کے ساتھ زیادہ منطقی طور پر پیش آتا ہے، کوشش کرتا ہے کہ اپنی علمی و فکری شخصیت کو بلند کرے اور اپنے لیے کوئی نمونہ (آئیڈیل) تلاش کرے۔

جوانوں کے رویے اور کردار کا ان کی تربیت سے، جو پچھلے مراحل میں بنیاد رکھی گئی تھی، براہ راست تعلق ہوتا ہے اور ان کے اخلاق و رویے ان کے نوجوانی سے پہلے کے دور کو گزارنے کے طریقے سے جنم لیتے ہیں۔ وہ جوان جس نے اپنی زندگی کو علم و تقویٰ کی بنیاد پر استوار کیا ہو، اپنے رویے کو اس کے مطابق ترتیب دیتا ہے۔ علم و فضیلت کے پیچھے بھاگتا ہے۔ تکمیل اور انسانی عالیہ اہداف تک پہنچنے کے لیے بہترین مرحلہ جوانی کا ہے؛ کیونکہ اس دور میں عظمت و کمال کی بلندیوں تک پہنچنے کے لیے تمام تر مہیا سازیاں موجود ہوتی ہیں۔ (صانعی، سید مهدی، پژوهشی در تعلیم و تربیت، ص۳۳۰) جوانی کے دور کے حساس ہونے کے پیش نظر اسلام نے بھی جوانوں کی سفارش کی ہے اور انہیں نصیحت کی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ کوشش و محنت کریں اور مواقع کو غنیمت جانیں اور ان سے فائدہ اٹھائیں۔

پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: لا تزولُ قدم ابن آدم یوم القیامۂ من عند ربّہِ حتّی یُسأل عن خمسٍ: عن عمرہِ فیم افناہُ وعن شبابہِ فیم ابلاہُ ومالہ من أین اکتسبہُ... (سنن ترمذی، ج۹، ص۲۵۳)

آدمی کے قدم قیامت کے دن اپنے رب کے حضور سے نہیں ہٹیں گے یہاں تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں پوچھا جائے گا: اس کی عمر کے بارے میں کہ اسے کس (راستے) میں برباد کیا، اس کی جوانی کے بارے میں کہ اسے کس کام میں گنوا دیا، اس کے مال کے بارے میں کہ اسے کہاں سے کمایا.... یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قیامت کے دن عمر کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ وہ کس راستے میں برباد ہوئی اور جوانی کے بارے میں کہ وہ کس راستے میں گزری۔ حضرت امام خمینی رحمتہ اللہ علیہ سماجی نظام میں جوانوں کے تعمیری کردار اور اس دور میں خودسازی کی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے، جوانوں سے خطاب فرماتے ہیں:

جوان کا دل لطیف اور ملکوتی ہوتا ہے اور اس میں برائی کے رجحانات کم ہوتے ہیں، لیکن جیسے جیسے عمر بڑھتی ہے گناہ کا جڑ دل میں مضبوط اور پختہ ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ اسے دل سے اکھاڑ نا ممکن نہیں رہتا۔ جیسا کہ روایت میں ہے، انسان کا دل ابتدا میں آئینے کی طرح صاف اور

نورانی ہوتا ہے اور ہر گناہ جو انسان سے سرزد ہوتا ہے اس پر ایک سیاہ نقطہ ظاہر ہوتا ہے اور جیسے جیسے گناہ زیادہ ہوتا ہے دل پر سیاہ نقطے بڑھتے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ دل کو سیاہ کر دیتے ہیں۔ (جہاد اکبر، ص۵۵-۵۴)

### بلوغت (بڑی عمر)

یہ مرحلہ، کمال اور پختگی کا مرحلہ ہے۔ وہ مرحلہ جہاں انسان کی جسمانی و ذہنی قوتیں اپنے آخری درجہ کمال کو پہنچ جاتی ہیں۔ اس دور میں اس کی فطری عقل، اس کی تجرباتی عقل کے ذریعے تکمیل پا چکی ہوتی ہے اور ایندہ نگر ہوتا ہے ساتھ ہی وہ اس مرحلہ میں اسے مسائل کو بمطابق واقع پرکھنے کی صلاحیت حاصل ہوتی ہے . بعض کے نزدیک انسان کی عقل کی نہایت قوت و استحکام چالیس سال کی عمر میں ہوتی ہے۔ عمر کے کامل ترین ایام، چالیس سالگی کا آغاز ہے جب ہر لحاظ سے انسان کی جسمانی و روحانی قوتیں اپنے نہایت کمال کو پہنچ چکی ہوتی ہیں اور اس وقت وہ حقائق کو سمجھ سکتا ہے اور اصلاح و شائستگی کے راستے پر قدم رکھ سکتا ہے تا کہ مقصود کے سر منزل تک پہنچ سکے۔ (صانعی، سید مهدی، پژوهشی در تعلیم و تربیت، ص۳۳۴) امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے: اذا بلغ العبدُ ثلاث وثلاثين سنةً فقد بلغ اشُدَّه و اذا بلغ اربعين سنةً، فقد بلغ وانتهى منتهاهُ فإذا طعَنَ فى إحدى واربعينَ فهوفى النقصان وينبغى لصاحب الخمسينَ ان يكونَ كمن كان فى النزع(فیض کاشانی، محسن، تفسیر الصافی، ص۱۴، ذیل آیہ ۱۶ سورہ الاحقاف) جب بندہ تینتیس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو وہ اپنی عقل اور جسمانی توانائی کے کمال کو پہنچ چکا ہوتا ہے اور جب وہ چالیس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو وہ بلوغ اور اس کے آخری مرحلے تک پہنچ چکا ہوتا ہے اور جب وہ اکتالیس سال کا ہو جائے تو وہ نقصان کی طرف ہے (سال بہ سال اس کی قوتیں اور استعداد کم ہوتی جاتی ہے) اور وہ شخص جو پچاس سال کا ہے، اسے چاہیے کہ اس شخص کی مانند سمجھا جائے جو جان کنی کی حالت میں ہے۔

### نتیجہ

اولاد کی تربیت کوئی جامد یا یک طرفہ عمل نہیں، بلکہ یہ ایک متحرک، کثیر الجہتی اور مستقل سفر ہے جو فرد کی پیدائش سے لے کر پختگی تک جاری رہتا ہے۔ اس تحقیقی جائزے سے واضح ہوتا ہے کہ تربیت کی کامیابی کا انحصار صرف والدین یا اسکول پر نہیں، بلکہ وراثت، گھریلو ماحول، تعلیمی ادارے، دوستوں کے حلقے، اور میڈیا جیسے تمام عوامل کے باہمی تعاون پر ہے۔ ان عوامل میں سے کسی ایک کی کمی یا خرابی پورے تربیتی عمل کو متاثر کر سکتی ہے۔ عمر کے مراحل تربیت میں مرکزی اہمیت رکھتے ہیں — بچپن کی جذباتی وابستگی، نوجوانی کی شناخت کی تلاش، جوانی کی تخلیقی صلاحیتوں، اور بلوغت کی ذمہ داریوں کے دوران تربیت کے طریق کار اور ترجیحات بدلتی رہتی ہیں۔ ایک کامیاب مربی وہی ہے جو ہر مرحلے کی نفسیاتی اور جذباتی ضروریات کو سمجھتے ہوئے اپنا انداز تربیت تبدیل کر سکے۔ موجودہ دور میں، روایتی اقدار اور ثقافتی شناخت کو محفوظ رکھتے ہوئے نئی ٹیکنالوجی اور گلوبل ثقافت کے مثبت پہلوؤں سے استفادہ کرنا بڑا چیلنج ہے۔ میڈیا کی نگرانی، دوستوں کے انتخاب میں آگاہی، اور تعلیمی نصاب میں اخلاقیات کی شمولیت اس سمت میں اہم قدم ثابت ہو سکتی ہے۔ اسلام کا تربیتی نظریہ صرف عبادات تک محدود نہیں، بلکہ یہ جسمانی، ذہنی، اخلاقی اور روحانی نشوونما کو یکجا کرتا ہے۔ شریک حیات کے انتخاب سے لے کر علم کے حصول کی ترغیب تک، اسلام نے زندگی کے ہر پہلو میں تربیت کے لیے رہنمائی فراہم کی ہے، جو آج بھی اپنی معنویت اور عملیت رکھتی ہے۔ تربیت کا حتمی مقصد صرف ڈگریاں حاصل کروانا یا مالی کامیابی نہیں، بلکہ ایسے ذمہ دار، حساس، بااخلاق اور مفکر

افراد تیار کرنا ہے جو نہ صرف اپنی ذات میں متوازن ہوں، بلکہ اپنے خاندان، معاشرے اور انسانیت کے لیے بھی مفید ثابت ہوں۔ یہی وہ بنیاد ہے جس پر کسی قوم کی حقیقی ترقی اور استحکام کا انحصار ہے۔ آخر میں، یہ کہا جا سکتا ہے کہ اولاد کی تربیت در حقیقت آنے والی نسلوں کو ایک روشن اور پرامن مستقبل کی طرف لے جانے والا پل ہے۔ اس پل کی تعمیر میں علم، محبت، صبر اور دور اندیشی کی اینٹیں لگائی جاتی ہیں۔ یہ والدین، مربیان اور معاشرے کے ہر فرد کی اجتماعی ذمہ داری ہے کہ وہ اس مقدس فریضے کو پوری دیانت داری اور جدید ترین علمی وسائل سے ہم آہنگ کرتے ہوئے سرانجام دیں۔

## منابع :


۱. قرآن کریم

۲. الاصفهانی الراغب، المفردات، ترجمہ خسروی حسینی، انتشارات مرتضوی

۳. امام محمد غزالی، آرای دانشمندان مسلمان در تعلیم وتربیت و مبانی آن، ، زیر نظر آقای اعرافی، بہروز رفیعی، پژوهشکده حوزه و دانشگاه، چاپ اول بہار ۱۳۸۱

۴. احمدی، احمد، اصول وروشہای تربیت دراسلام، ناشر دانشگاه تہران، چاپ چہارم ۱۳۸۰

۵. امینی، ابراہیم، اسلام و تعلیم وتربیت، تہران سازمان انجمن اولیاء و مربیان، چاپ پنجم، بہار ۱۳۷۹

۶. امانوئل کانت، تعلیم وتربیت، ، ترجمہ غلامحسن شکوہی، انتشارات دانشگاه تہران ۱۳۷۲

۷. امام خمینی، صحیفہ نور، سازمان مدارک فرہنگی انقلاب اسلامی، وزارت فرہنگ وارشاد اسلامی، چاپ دوم ۱۳۷۲

۸. اسماعیل یزدی، عباس، فرہنگ تربیت، ناش مسجد مقدس جمکران، قم ۱۳۸۲

۹. بیابانگرد، اسماعیل، راہنمای والدین ومعلّمان در تربیت وآموزش کودکان، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، چاپ ششم ۱۳۸۶

۱۰. تہرانی دلشاد، سیری در تربیت اسلامی، تہران، مؤسسہ نشر و تحقیقات ذکر، چاپ اول تابستان ۱۳۷۶

۱۱. جیمز دابسون، پدر و مادر مرا تربیت کنید، ترجمہ اسماعیل کیوانی، انتشارات حسام چاپ اول ۱۳۷۱

۱۲. جلالی، مہدی، روانشناسی کودک، تہران، ۱۳۲۲

۱۳. حسینی، زادہ سید علی، سیرہ وتربیتی پیامبر واہل بیت (ع)، زیر نظر آقای اعرافی پژوهشگاه حوزه و دانشگاه، چاپ چہارم، پائیز ۱۳۸۴

۱۴. حجتی، سید محمد باقر، اسلام و تعلیم وتربیت، ، تہران دفتر نشر فرہنگی اسلامی، چاپ چہارم، تابستان ۱۳۶۸

۱۵. حاجی، دہ آبادی محمد علی، درآمدی بر نظام تربیتی اسلام، دفتر تحقیقات وتدوین متون درسی، مرکز جہانی علوم اسلامی، چاپ اول، قم تابستان ۱۳۷۷

۱۶. دکتر نینار دنور، روانشناسی و دشواریہای تربیتی کودک، بہ ہمکاری ایزابل جانسون، مترجم منوچہر نیستانی، مؤسسہ مطبوعاتی عطائی، چاپ سوم خرداد ۱۳۵۱

۱۷. رشید پور، مجید، آشنایی با تعلیم وتربیت، انتشارات انجمن اولیاء و مربیان، چاپ ششم تابستان ۱۳۷۸

۱۸. رشید پور، مجید، چگونہ باید تربیت کرد، انتشارات انجمن اولیاومربیان، چاپ اول بہمن ۱۳۶۳

۱۹. رہبر، محمد تقی ورحیمیان، محمد حسین اخلاق وتربیت اسلامی، ، ناشر سازمان مطالعہ وتدوین کتب علوم انسانی دانشگاہہا (سمت) ۱۳۲۹

۲۰. راسل، درتربیت، مؤسسہ مطبوعاتی، چاپ چہارم مرداد ۱۳۴۷

۲۱. ژان پیاژہ، زندگی وپرورش کودک، تہران، انتشارات نیما (بی تا)

۲۲. سیف، علی اکبر، روانشناسی تربیتی وپرورشی، انتشارات آگاہ، چاپ سوم تابستان ۱۳۷۷

۲۳. سادات، محمد علی، راہنمای پدران ومادران، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، چاپ چہارم، تہران، ۱۳۷۴

۲۴. شریعتمداری، علی، تعلیم وتربیت اسلامی، تہران، انتشارات امیر کبیر ۱۳۷۵

۲۵. شعاری نژاد، علی اکبر، روانشناسی رشد، انتشارات کتابفروشی تہران، چاپ سوم، دی ماہ ۱۳۴۴

۲۶. صانعی، سید مہدی، پژوہشی در تعلیم وتربیت اسلامی، ناشر مؤلف پائیز ۱۳۷۵

۲۷. عطاران، محمد، آراء مربیان بزرگ مسلمان در بارہ تربیت کودک، تہران، وزارت آموزش وپرورش سازمان پژوہش وبرنامہ ریزی، تابستان ۱۳۶۸

۲۸. عثمانی، عبدالرحیم، روانشناسی از دیدگاہ غزالی ودانشمندان اسلامی، ترجمہ محمد باقر حجتی، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، چاپ چہارم پائیز ۱۳۶۵

۲۹. فلسفی محمد تقی، کودک از نظر وارثت، ہیئت نشر فرہنگ معارف اسلامی، چاپ سیز دہم، ۱۳۶۳

۳۰. فائضی، علی، مہر طلبی کودکان، مجلّہ پیوند شمارہ ۱۲۲، سال ۶۸

۳۱. فائضی، علی وآشتیانی محسن، مبانی تربیت واخلاق اسلامی، قم انتشارات روحانی ۱۳۷۵

۳۲. فرقانی، منصور، مبانی فقہی وحقوقی جرائم وتأدیب کودک، انتشارات انجمن اولیا ومربیان ۱۳۷۹

۳۳. قائمی، علی، نقش مادر در تربیت، انتشارات امیری، چاپ یازدہم بہار ۱۳۷۷

۳۴. قائمی، محمد رضا، روشہای آسیب زا در تربیت، پژوہشکدہ حوزہ ودانشگاہ، چاپ اول پائیز ۱۳۸۲

۳۵. قائمی، علی، زمینہ تربیت، تہران انتشارات امیری، چاپ چہارم، ۱۳۶۵

۳۶. کلینی راضی، محمد بن یعقوب، اصول کافی، ترجمہ سید جواد مصطفوی، دفتر نشر فرہنگ اہل بیت (ع) تہران (بی تا) وانتشارات دار الکتب الاسلامیہ چاپ چہارم ۱۳۶۵

۳۷. مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، ناشر اسلامیہ، چاپ تہران - بی تا

۳۸. مکارم شیرازی، ناصر، پیام قرآن،، ناشر مدرسہ الامام علی بن ابیطالب (ع) چاپ دوم ۱۳۷۵

۳۹. مطہری، مرتضی، تعلیم وتربیت در اسلام، انتشارات صدرا ۱۳۶۸

۴۰. مظاہری، علی اکبر، ہشدارہای تربیتی، مؤسسہ انتشارات ہجرت، چاپ دوم زمستان ۱۳۷۴

۴۱. یکتا شکوہی، محسن، تعلیم وتربیت، دورہ کاردانی تربیت معلم،، انتشارات چاپ ونشر ایران ۱۳۷۰